Al-Misbah, **Vol. 2 No. 3**(2022),172-184
https://almisbah.info/

Research Journal
AL-MISBAH

سیرت طیبہ کی جمع وتدوین کا آغاز وارتقاء اور اس کی ضرورت واہمیت

COLLECTION AND COMPILATION OF SEERAH TAYYABA AND ITS NEED & IMORTANCE

* Ghulam Hyder Teewno
** Dr.Hafiz Sibghatullah Bhutto

ABSTRACT

The biography of the Prophet (peace be upon him) was not considered as a separate art in the beginning, later the Companions, followers and princes of the kingdom paid special attention to this art, which resulted in the existence of Maghazi and the books of biography mentioned above. They are also counted in Maghazi, and as far as we know from our research, the above-mentioned books have a basic position on the Prophet's biography and they are also called the writings of the predecessors. While after him, the scholars and muhaddiths continued to write books in the art of biography, but the above mentioned books are considered to be the basic books of biography. And there has been a strong need for the collection and compilation of biography in every era because the Holy Qur'an has repeatedly encouraged the Muslim Ummah to follow the morals and conduct of the Prophet (PBUH) and declared the person who follows the biography of the Prophet (PBUH) to be a person of welfare and salvation.has given The foremost duty and the most sacred service of the universe is to reform and complete the morals and education of the human soul. That is, first of all, the principles and principles of all kinds of moral virtues, asceticism, piety, chastity, chastity, beneficence, gentleness and forgiveness, determination and steadfastness, selflessness and kindness, honor and selflessness should be established in a very correct way and then its practical teaching and method should be implemented in the whole world.

A common way to achieve this goal is preaching. A more civilized way is to write high quality books on morals and spread them in all countries and teach them to the masses. One way is to compel the common people to obey good morals and keep them away from vices.

Keywords: Seerah Literature, Review of book, Sira-Un-Nabi, Maghzi, Collection & Compilation.

تعارف

حضرت محمد مصطفی احمد مجتبی ﷺ کی ذات اقدس اہل ایمان کے لیے ہدایت کا سر چشمہ ہے۔ مسلمانوں کا تہذیبی نظام ان ہی کے اسوہ پر قائم ہے۔ فرمان باری تعالی ہے۔

"یاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیۡرًا"[1]

* Ph.D Scholar, Deptt Comparative Religion & Islamic Culture, University of Sindh, Jamshoro.
** Assistant Professor, Deptt Comparative Religion & Islamic Culture, University of Sindh, Jamshoro.

ISSN-Online: 2790-8828
ISSN-Print: 2790-881X

"اے نبی ﷺ! ہم نے آپ کو گواہ بناکر، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بناکر، اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بناکر بھیجا ہے"

اللہ رب العالمین نے نبی مکرّم ﷺ کو پیغمبر خاتم النبیین اور ایسا مکمل نمونہ بناکر بھیجا جس نے ہر زمانے میں مسلمانوں کو قوت بخشی۔

اس دنیا فانی میں انسان کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ انسانیت کو اخلاقیات کی تعلیم دی جائے۔ یعنی پہلے ہر قسم کے فضائل اخلاق، غیرت واستغنا کے اصول وفروع نہایت صحیح طریقہ سے قائم کیے جائیں اور پھر ساری دنیا میں اس کی عملی تعلیم وطریقہ رائج کیا جائے۔

اس مقصد کے حصول کا عام طریقہ وعظ وپند ہے۔ اس سے زیادہ متمدن طریقہ یہ ہے کہ فن اخلاق میں اعلی درجہ کی کتابیں لکھ کر تمام ممالک میں پھیلائی جائیں اور عوام الناس کو ان کی تعلیم دلائی جائے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ عوام الناس سے بہ جبر محاسن اخلاق کی تعمیل کرائی جائے اور رذائل سے دور کیا جائے۔

یہی طریقے ہیں جو اوائل سے آج تک ساری دنیا میں جاری ہیں اور آج اس انتہائی ترقی یافتہ دور میں بھی اور کچھ نہیں کیا جاسکتا، لیکن سب سے زیادہ پر اثر اور مناسب رستہ یہ ہے کہ زبان وتحریر اور جبر وزبردستی کی بجائے ایک ایسا پیکر اور نمونہِ عمل لایا جائے، جو اپنی ذات کے ساتھ ہمہ تن آئینہ عمل ہو۔ جس کا ہر قول اور ہر عمل ہزاروں تصانیف سے اچھا ہو اور جس کے ہر ایک شواہد اوامر سلطانی بن جائے، دنیا میں موجود اخلاق کا سب سرمایہ انہی مقدس ہستیوں کی مرہونِ منت ہی ہے۔ دیگر اسباب صرف ایوان تمدن کے نقش ونگار ہیں۔[٢]

اس وقت تک دنیا کی جس قدر تاریخ معلوم ہے، اس نے اس قسم کے نفوس قدسیہ جو پیش کئے ہیں، وہ فضائل اخلاق کی کسی خاص صنف کے نمونے تھے، مثلا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درس وتدریس میں صرف حلم وتحمل، صلح وعفو، قناعت وتواضع کی تعلیمات کا تصور ملتا ہے۔ حکومت وفرمان روائی کے لئے جو فضائل واخلاق درکار ہیں، مسیحی تعلیمات کی بیاض ان سطروں کی جگہ سادی ہے۔ حضرت موسی علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی تعلیمات عام معافی سے خالی نظر آتی ہیں،[٣] اسی وجہ سے ایسے رہنما کی ضرورت تھی جو سپاہی میدانِ جنگ بھی ہو اور تنہائی پسند بھی، سخی سلطان بھی ہو اور فقیرِ جہاں بھی، یہ بزرگ کامل، یہ ہستی جامع، یہ صحیفہ یزدانی، عالم کون کی آخری معراج ہے۔

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ"[٤]

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔"

اس فانی دنیا میں کسی کو دوام حاصل نہیں، اس لئے یہ ہستی جامع دنیا میں آکر ہمیشہ نہیں رہ سکتی۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ان کے اقوال وافعال کو محفوظ کر لیا جائے تاکہ زندگی کے اتار چڑھاؤ میں رہنمائی مل سکے، لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح دیگر تمام مذاہب کے داعیاں جامعیت کبری کی وصف سے خالی تھے، ان کے کارنامہ زندگی کی تصویریں بھی ناتمام لی گئیں۔ حضرت عیسی علیہ السلام کی ۳۳ سالہ مبارکہ زندگی میں سے صرف ۳ برس کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں، فارس کے دین کے مصلحین صرف شاہنامہ کے ذریعہ سے روشناس ہیں، ہندوستان کے پیغمبر افسانوں کے حجاب میں گم ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت آج جو کچھ معلوم ہے اس کا ذریعہ صرف موجودہ تورات ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ۳۰۰ برس بعد عالم وجود میں آئی۔ یہ قدرت کی طرف سے اشارہ تھا کہ ان کے کارنامے اور اصول تعلیم ابدی نہ تھے، اس

لئے نقل وروایت کے آئینہ میں جس قدر ان کا نا تمام عکس اترا اس سے زیادہ ضروری بھی نہ تھا۔ قدرت خود ضرورت کی اندازہ داں ہے اور جب جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ خود مہیا کر دیتی ہے۔[۵]

سارے مذاہب کے حاملین میں سے ہر ایک کو اپنا مذہب اسی طرح پیارا ہے جس طرح دوسرے مذہب کے پیروکاروں کو اپنا مذہب عزیز ہے، اس لئے اگر ان سے پوچھا جائے کہ ان میں کونسی شخصیت تھی جس میں جامعیت کبری کی اوصاف نمایاں نظر آتی تھی؟ تو ہر طرف سے مختلف آواز کی گونج آنے شروع ہو جائے گے لیکن اس کے برعکس اس طرح پوچھا جائے کہ دنیا میں ایسی کون سی شخصیت گذری ہے جس کی زندگی کا کارنامہ، ہر طرح سے قلمبند کیا گیا ہو جس میں ایک طرف صحت کا یہ انتظام تھا کہ کسی سماوی صحیفہ کے لئے بھی نہ ہو سکا اور دوسری جانب تفصیل اور وسعت کے لحاظ سے یہ حالت ہو کہ افعال و افعال وضع و قطع، شباہت، رفتار و گفتار، طبیعت کا مزاج، گفتگو کا انداز، طرز زندگی، معاشرتی طریقہ کار، کھانے پینے، گھومنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، بولنے کی ایک ایک چیز محفوظ کی گئی ہے، تو سوال کے جواب میں صرف ایک آواز بلند ہو سکتی ہے، جس کا نام ہے: (**محمد عربی فدية، بابی امی**)۔[۶]

حضور اکرم ﷺ بطور جامع شخصیات

حضور اکرم ﷺ صرف انسانوں کی روحانی مشکلات ہی حل کرنے کے لئے تشریف نہ لائے اور نہ صرف اخلاقی برائیوں کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا بلکہ انسانوں کی سماجی و معاشی مشکلات کو دور کرنے کی بھی سعی کی، اور انسانی معاشرہ کے رنج وغم کو سکھ اور میں تبدیل کرنے کی کامیاب جدوجہد کی۔ انسانی سماج میں طاقتور اور کمزور، امیر وغریب، مختار ومحتاج دونوں طرح کے لوگ ہوتے ہیں اور دونوں کے اپنے مسائل ہوتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ ہر فرد کی اصلاح کرتے ہیں اور دونوں کو کامیابی کی راہ دکھاتے ہیں۔[۷]

انسان کی فطری تقاضہ یہی ہے کہ اس کے سامنے اعلی واشرف زندگی کے ہر معاملے عظیم مثال موجود ہوں اور وہ اسے اپنا دستور اور جادہ منزل بنالے۔ انسان جب بھی زندگی کے کسی پہلو میں بے مثال نمونے کی تلاش میں رہے گا اسے وہ نمونہ آپ ﷺ کی ذات میں ہی ملا،، یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے آنحضرت ﷺ کو پوری انسانیت کے لیے رہبر بناکر بھیجا ہے۔[۸]

فرمان باری تعالی ہے:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"[۹]

پہلے دور میں سیرت کی ضرورت صرف تاریخ اور واقعہ نگاری کی حیثیت سے تھی۔ علم کلام سے اس کا کوئی تعلق تصور نہیں کیا جاتا تھا لیکن معترضین حضرات کہتے ہیں کہ اگر مذہب، صرف خدا کے اعتراف کا نام ہے تو بحث یہاں تک رک جاتی ہے، لیکن جب اقرار نبوت بھی جزوِ مذہب ہے تو یہ بحث پیش آتی ہے کہ جو شخص حامل وحی اور سفیر الٰہی تھا، اس کے حالات، اخلاق اور عادات کیا تھے؟[۱۰]

یورپ کے مورخین آنحضرت ﷺ کی جو اخلاقی تصویر کھینچتے ہیں وہ (نعوذ باللہ) ہر قسم کے معائب کا مرقع ہوتی۔ آج کل کے مسلمان جدید علوم کی تقاضاؤں کی وجہ سے عربی علوم سے بالکل دور ہوگئے ہیں، اس لیے اگر ان لوگوں کو اگر نبی کریم ﷺ کے حالات زندگی اور سیرت سے مستفید ہونے کی دلچسپی ہو تو انہیں یورپ تصانیف کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح زہر آلود معلومات آہستہ آہستہ اثر کرتی رہتی جاتی

ہیں اور لوگوں کو خبر تک نہیں ہوتی، یہاں تک کہ ملک میں ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف مصلح مانتا ہے، جس نے انسانی معاشرے کی اصلاح کی تو ان کا فرض ادا ہو گیا۔ اس حقیقت سے اس کے نبی ہونے کے مقام میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کے اخلاق کی بنیاد پر گناہ کے دھبے ہیں۔

سارے مفکرین و محققین جانتے ہیں کہ اس گروہ کے وجود میں آنے کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ یورپ کی علمی و سائنسی ترقی کو دیکھ کر بہت سے عربی و اسلامی ذہن خیرہ ہو کر رہ گئے تھے اور انہیں یہ وہم ہونے لگا تھا کہ مسلمان بھی ایسی ترقی صرف اس صورت میں حاصل کر سکتے ہیں جب وہ اسلام کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کریں جیسا یورپ میں عیسائیت کے ساتھ کیا گیا۔"[11]

اس حوالے سے علامہ سید سلیمان ندویؒ اپنی کتاب بنام سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ آج تک کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں صحیح روایات کا التزام کیا جاتا۔ اور اس کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کے استاد حافظ زین الدین عراقی (المتوفی ۸۲۶ھ بمطابق ۱۴۰۴ء) کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ولیعلم الطالب ان السیرا تجمع ما صح وما قد انکرا" [12]

یعنی فن سیرت کے طالبین کو جاننا چاہئے کہ سیرت میں ہر قسم کی روایات نقل کی جاتی ہیں۔ صحیح بھی اور قابل انکار بھی۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہی سبب ہے کہ مستند اور مسلم الثبوت تصنیفات میں بھی بہت سی ضعیف روایات شامل ہو گئیں۔

مسلمانوں کے لئے فخر کی بات

مسلمانوں کو اس بات پر فخر ہے کہ ان کا قیامت تک کوئی بھی آدمی اس بات پر مقابلہ نہیں کر سکتا کہ انہوں نے اپنے پیغمبر حضرت محمدؐ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے حالات و واقعات کا ایک ایک حرف اس طرح قلمبند کر دیا کہ کسی شخص کے اس وقت تک کے حالات و واقعات جامع اور احتیاط کے ساتھ قلمبند نہیں کیے جا سکتے اور آگے بھی اس کی توقع کرنا لا محال ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا بات ہو گی کہ مسلمانوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال کی تحقیق کے لیے تقریباً تیرہ ہزار لوگوں کے نام اور حالات درج کیے گئے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور ان سے ملاقاتیں کیں (ان کو اسماء الرجال کے ماتحت قلمبد کیا گیا ہے) اور یہ اس وقت کیا گیا جب تصانیف اور تالیفات کا آغاز ہوا۔ اور جب طبقات ابن سعد، کتاب الصحابہ لابن السکان، کتاب العبد اللہ ابن علی ابن جارود، کتاب العقیلی فی الصحابات، کتاب ابن ابی حاتم الرازی، کتاب الارزاق، کتاب الدلبی، کتاب البغوی، طبقات ابن ماکولہ، اسد الغابہ، استیعاب، صحابہ کرام صرف بزرگوں کی حالت میں ہیں۔ دنیا میں ایک شخص کے ساتھیوں کے کتنے نام اور حالات لکھے جا سکتے ہیں؟ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے قدیم علماء کی طرف سے فراہم کردہ سیرت طیبہ کا مجموعہ اور اس کی مختصر تاریخ اور حیثیت، ہم اس موقع پر درج کرتے ہیں کہ کس طرح اس مجموعہ کو کامل مرتب کرنے کے لیے استعمال کیا گیا۔ اور مستند کتاب لکھے جا سکتے ہیں اور کہاں تک تحقیق اور تنقید کی ضرورت ہے۔[13]

فن سیرت کی ابتدااور تحریری سرمایہ

عام تصور ہے کہ عرب کے لوگوں میں لکھنے اور پڑھنے کا رجحان نہ تھا اور اسلام میں تدوین و تالیف کی شروعات عباسی سلطنت کے مشہور خلیفہ منصور عباسی کے زمانہ سے (تقریبا۱۴۳ھ میں) ہوا۔ اس لئے اس زمانہ تک سیرت اور روایات کا جو کچھ ذخیرہ تھا، زبانی تھا، تحریری نہ تھا۔ لیکن یہ تصور درست نہیں۔ عرب میں لکھنے پڑھنے کا رجحان (گو کم ہی سہی) مدت سے چلا آتا ہے، بہت قدیم دور میں حمیری اور نابتی رسم الخط تھا۔ جس کے کتبے آج نہایت کثرت سے یورپ کی بدولت ملتے ہیں۔ اسلام سے پہلے وہ خطوط ایجاد ہوئے جو خط عربی کہلاتا ہے اور جس نے بہت صورتیں بدل کر آج یہ صورت اختیار کی ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"اس خط کی تاریخ اور اس کے ماخذ کے بارے میں جو قدیم روایات کتابوں میں مذکور ہیں وہ اکثر افسانوی ہیں"[۱۴]

ابن الندیم نے کلبی سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جن لوگوں نے عربی حرف ایجاد کیا ان کے نام اس کے تھے۔ ابو جاد، حواض حطی، کلمون، صعفص، قریشیات (یہ وہ نام ہیں جنہیں آج ہم ابجد، ہوض، حطی، کلمون، صعفص، قریشیات کہتے ہیں)۔ اسی طرح کعب کا یہ قول کہ سارے خطوط حضرت آدم نے ایجاد کئے تھے۔[۱۵] ابن الندیم حضرت عبد اللہ بن عباس کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے عربی خط لکھنے والے قبیلہ بولان (قبیلہ فہد کی ایک شاخ) کے تین لوگ تھے جو جوانبر میں رہتے تھے اور ان کے نام۔ مرمر بن مرہ تھے، وہ اسلم بن سدرہ، عامر بن جدر تھے۔ ان تمام روایات میں سب سے زیادہ عام یہ روایت ہے کہ جو ابن الندیم نے مکہ مکرمہ سے عمرو بن شعبہ کی کتاب لکھی ہے جس کا مطلب ہے کہ پہلا عربی خط ایک ایسے شخص نے ایجاد کیا جو بنو مخلد بن نضر بن کنانہ کے خاندان سے تھا۔، اور یہ شاید وہ ہے۔ ایک زمانہ تھا جب قریش کے لوگ عروج حاصل کر چکے تھے اور تجارت کے ذریعے بیرونی ممالک کا سفر کیا کرتے تھے۔ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ میں نے مامون الرشید کے کتب خانے میں ایک دستاویز دیکھی جو عبد المطلب بن ہاشم (آنحضرت ﷺ کے دادا) کے ہاتھ سے لکھی ہوئی تھی اور اس کے الفاظ یہ تھے:

"حق عبدالمطلب بن هاشم من اهل مكة على فلان بن فلان الحميري من اهل وزل صنعاء عليه الف درهم فضة كيلا بالحديدة و متى دعاه بها اجابه شهد الله و الملكان."[۱۶]

اس دستاویز سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبد المطلب نے کسی حمیری شخص کو ہزار درہم قرض دیئے تھے، خاتمہ میں دو فرشتوں کی گواہی لکھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں فرشتوں کا (اور شاید کراماکاتبین کا اعتقاد موجود تھا۔

ابن الندیم نے لکھا ہے کہ اس دستاویز کا خط ایسا تھا جیسا عورتوں کا خط ہوتا ہے۔ علامہ بلاذری نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت سوتی کی جب بعثت ہوئی تو قریش میں سے اخص لکھے پڑھنا جانتے تھے یعنی حضرت عمر حضرت علی حضرت عثمان حضرت ابو حید واللحمہ بریزید بن ابی سفیان، ابو حذیفہ بن عتبہ، ابو سفیان، شفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہم وغیرہ۔[۱۷]

بدر کی لڑائی جو ۲ھ میں ہوئی قیدیوں کو فدیہ کے عوض آزادی کا فیصلہ ہوا اور جو فدیہ دینے کے قابل نہ ہو اس پر لازم کیا گیا کہ وہ دس بچوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھائے، یہ واقعات اس بات پر واضح دلیل ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانۂ نبوت کے دوران ہی تدریسی سرگرمیاں شروع

ہو گئیں تھیں البتہ یہ تحقیق طلب ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں روایتیں اور حدیثیں بھی قلمبند ہوئی تھیں یا نہیں اور اس بنا پر سیرت کا کوئی تحریری سرمایہ بھی موجود تھا یا نہیں۔ بعض حدیثوں میں جن میں سے بعض صحیح مسلم میں مذکور میں تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے احادیث کی کتابت سے منع فرمایا تھا۔ مسلم کے یہ الفاظ ہیں:

"ولا تکتبوا عني و من کتب علی غیر القرآن فلیمحه وحدثوا عنی ولا حرج"[18]

"مجھ سے جو سنو اس کو قلمبند نہ کرو جو قرآن کے) اور کسی نے قلمبند کیا ہو تو اس کو مٹاڈالنا چاہے اور مجھ سے حدیث بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"

یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ یہ فرامین آپ ﷺ کے شروعاتی دور سے وابستہ ہیں کیونکہ متعدد صحیح احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ کے ہی زمانہ مبارکہ میں بعض صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کی اجازت سے آپ کے فرامین قلمبند کرلیا کرتے تھے۔ امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ (۲۵۶ھ۔۱۹۴ھ) نے اپنی کتاب صحیح بخاری کے کتاب العلم میں حضرت ابوہریرہ رضہ کا ایک قول نقل فرمایا ہے کہ "صحابہ رضہ میں مجھ سے زیادہ کسی کے پاس احادیث محفوظ نہیں البتہ عبداللہ بن عمرو بن العاص مستثنیٰ ہیں، کیونکہ وہ آپ ﷺ کی طرف سے بیان کردہ احادیث لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا، یعنی زبانی یاد کرتا تھا۔[19]

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ "حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضہ کو نبی کریم ﷺ نے احادیث لکھنے کی اجازت دی"[20] امام خطیب بغدادیؒ نے روایت کی ہے کہ اس بیاض کا نام جس میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضہ نبی کریم ﷺ کی احادیث قلمبند کرلیا کرتے تھے "صحیفہ صادقہ" تھا۔[21] ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جو لوگ اس وقت تک اسلام لاچکے ہیں، ان کے نام قلمبند کیے جائیں، چنانچہ پندرہ سو صحابہ کے نام دفتر میں درج کئے گئے۔[22] امام خطیب بغدادیؒ نے تقیید العلم میں روایت کی ہے کہ "جب لوگ کثرت سے حضرت انس رضہ کے پاس احادیث کے سننے کے لئے جمع ہو جاتے تھے تو وہ ایک جنگ نکال لاتے تھے کہ وہ یہ احادیث ہیں جو میں نے نبی کریم ﷺ سے سن کر لکھ لی تھیں"۔[23] اسی طرح متعدد قبائل کو آپ ﷺ نے جو صدقات اور زکواۃ وغیرہ کے احکام بھیجے وہ سب تحریری تھے اور احادیث کے کتب میں بعینہا منقول ہیں۔ اسی طرح سلاطین کو دعوت اسلام کے جو پیغام بھیجے تھے وہ بھی تحریری تھے۔

ایک اور روایت میں حضرت ابوہریرہ رضہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے سال جب ایک خزاعی نے حرم میں ایک آدمی کو قتل کر دیا تو نبی کریم ﷺ نے ناقہ پر سوار ہو کر خطبہ فرمایا۔ یمن کے ایک شخص نے آپ ﷺ کے حضور میں درخواست کی کہ یہ خطبہ مجھے تحریر کروا کہ دیا جائے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حکم فرمایا "اکتبوا لابي شاہ" کہ اس کے لیے اس خطبے کو لکھو۔[24]

مقصد کہ آپ ﷺ کی وفات تک حسب ذیل تحریری سرمایہ قلمبند ہوچکا تھا۔

۱. جو احادیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضہ یا حضرت علی رضہ اور حضرت انس بن مالک رضہ نے قلمبند کیں۔
۲. تحریری احکام و معاہدات (حدیبیہ وغیرہ) اور فرامین جو حضور اکرم ﷺ نے مختلف قبائل کی طرف بھیجے۔
۳. وہ خطوط جو حضور اکرم ﷺ نے سلاطین کی طرف ارسال فرمائے۔

۴. پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام۔

دورِ نبوی ﷺ کے بعد اس تحریری ذخیرہ کو اس قدر ترقی ہوتی گئی کہ جب ولید بن یزید قتل ہوا اور اس کی لائبریری سے احادیث کا دفتر منتقل ہوا تو صرف امام زہری کی تالیفات گھوڑوں اور گدھوں پر لائی گئی[۲۵]۔

چنانچہ صحابہ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں اگرچہ فقہ وحدیث کی نہایت کثرت سے اشاعت ہوئی، بہت سے درس کے حلقے قائم ہوئے، لیکن جو کچھ تھا زیادہ تر زبانی یاد تھا۔ لیکن بنو امیہ نے حکما، علما سے تصنیفیں لکھوائیں، قاضی ابن عبد البر نے امام زہری کا قول نقل کیا ہے:

"کنا نکرہ کتاب العلم حتی اکرھنا علیہ ھؤلا الامراء"[۲۶]

ہم لوگ علم کا قلمبند کرنا پسند نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ امرا نے ہم کو مجبور کیا۔

سب سے پہلے امیر معاویہ نے عبید بن شریہ کو یمن سے بلا کر قدما کی تاریخ مرتب کرائی جس کا نام اختیار الماضیین ہے۔ امیر معاویہ کے بعد عبد الملک بن مروان نے جو ۶۵ھ میں تخت نشین ہوا ہر فن میں علما سے تصنیفیں لکھوائیں۔ سعید بن جبیر جو اعلم العلماء تھے ان کو حکم بھیجا کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھیں۔ چنانچہ امام موصوف نے تفسیر لکھ کر بھیجی جو کتب خانہ شاہی میں رکھی گئی۔ عطاء بن دینار کے نام سے جو غیر مشہور ہے انہیں کی تفسیر ہے عطاء کو خزانہ شاہی سے یہ نسخہ ہاتھ آگیا تھا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس فن کو مزید ترقی دی۔ اور احادیث جمع کرنے کا حکم دیا علامہ ابن عبد البر جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں:

"سعد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے ہم کو احادیث کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے دفتر کے دفتر لکھے۔ عمر نے جہاں جہاں ان کی حکومت تھی، ایک دفتر بھیج دیا۔"[۲۷]

ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری کو بھی خاص طور پر احادیث کے جمع کرنے کا حکم بھیجا۔[۲۸]

حدیث میں حضرت عائشہ "کی مرویات کی ایک خاص حیثیت ہے یعنی ان سے اکثر وہ حدیثیں مروی ہیں جو عقائد یا فقہ کے مہمات مسائل ہیں، اس لئے عمر بن عبد العزیز نے ان کی روایتوں کے ساتھ زیادہ اعتنا کیا۔ عمرۃ بن عبد الرحمن ایک خاتون تھیں ان کو حضرت عائشہ نے خاص اپنے آغوش تربیت میں پالا تھا۔ وہ بہت بڑی محدثا اور عالمہ تھیں۔ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ حضرت عائشہ "کی مرویات کا ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا۔ عمر بن عبد العزیز نے ابو بکر بن محمد کو خط لکھا کہ عمرہ کے مسائل اور روایات قلمبند کرکے بھیج دیں۔[۲۹]

مغازی پر خاص توجہ:

اب تک مغازی پر خاص توجہ نہیں دی گئی تھی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس فن کو آگے بڑھایا۔ عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری (المتوفی ۱۲۱ھ) اس فن میں ماہر تھے۔ ان کو حکم دیا کہ جامع مسجد دمشق میں بیٹھ کر لوگوں کو مغازی کا درس دیں۔[۳۰]

عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں امام محمد بن مسلم شہاب زہری نے مغازی پر ایک مستقل کتاب لکھی اور جیسا کہ امام سہیلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے یہ اس فن کی پہلی تصنیف تھی۔ امام زہری بڑے عالم تھے۔ انہوں نے حدیث وروایات کے حصول کے لیے ان تھک کوشش کی وہ مدینہ منورہ میں ایک ایک انصاری کے گھر پر جاتے اور انحضرت ﷺ کے اقوال اور حالات پوچھتے اور قلمبند کرتے۔ وہ نسبا قریشی تھے ۵۰ھ میں

پیدا ہوئے بہت سے صحابہ کو دیکھا تھا۔ ۸۰ھ میں عبدالملک بن مروان کے دربار میں گئے۔ اس نے بہت قدر و منزلت کی۔ کتاب المغازی غالباً حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ہدایت کے موافق لکھی۔ یہ بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے کہ امام موصوف سلاطین کے اور بار سے تعلق رکھتے تھے اور مقربین خاص میں داخل تھے۔ ہشام بن عبدالملک نے اپنے بچوں کی تعلیم ان کے سپرد کی تھی۔ ۱۳۴ھ میں وفات پائی۔[31]

امام محمد بن مسلم شہاب زہری کی وجہ سے مغازی و سیر پر لکھنے کا عام رواج ہوا۔ ان کے حلقہ درس میں سے یعقوب بن ابراہیم، محمد بن صالح تمار، عبدالرحمان بن عبدالعزیز مغازی کے فن میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ تہذیب التہذیب وغیرہ میں ان لوگوں کا امتیازی وصف "صاحب المغازی" میں ہے۔[32]

امام زہریؒ کے شاگردوں میں سے دو شاگردوں نے اس فن میں شہرت حاصل کی موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق۔ موسیٰ بن عقبہ خاندان زبیر کے غلام تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضہ کو دیکھا تھا، حدیث کے علم میں امام مالک ان کے شاگرد ہیں۔ امام مالک ان کے نہایت مداح تھے اور لوگوں کو ترغیب دیتے تھے کہ فن مغازی سیکھنا ہو تو موسیٰ سے سیکھو۔ ان کے مغازی کی خصوصیات یہ ہیں:

۱. مصنفین اب تک روایات میں صحت کا التزام نہیں کرتے تھے انہوں نے زیادہ تر اس کا التزام کیا۔

۲. عام مصنفین کا یہ مذاق تھا کہ کثرت سے واقعات نقل کئے جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ہم کی رطب و یابس روایتیں آجاتی تھیں۔ موسیٰ نے احتیاط کی اور صرف وہی روایتیں لیں جو ان کے نزدیک ٹھیک ثابت ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتاب بہ نسبت اور کتب مغازی کے مختصر ہے۔

۳. چونکہ روایت حدیث کے لئے کسی عمر کی قید بھی اس لئے اکثر لوگ بچپن اور آغاز شباب ہی سے حلقہ درس میں شامل ہو جاتے تھے اور حدیثیں سن کر لوگوں سے روایت کرتے تھے لیکن چونکہ اس عمر تک واقعات کا صحیح طور سے سمجھنا اور محفوظ رکھنا ممکن نہ تھا اس لئے اکثر رواجوں میں تغیر اور اختلاط ہو جاتا تھا۔ موسیٰ نے بخلاف اور لوگوں کے کبر سن میں اس فن و سیکھا تھا۔ ۱۴۱ہجری میں وفات پائی۔ موسیٰ کی کتاب آج موجود نہیں لیکن ایک مدت تک شائع ہوئی۔[33]

محمد بن اسحاق امام فن مغازی کے نام سے مشہور ہیں۔ شہرت عام میں اگرچہ واقدی ان سے کم نہیں ہیں واقدی کی لغوبیانی مسلمہ عام ہے اور اس لئے ان کی شہرت بدنامی کی شہرت ہے۔ محمد بن اسحاق تابعی ہیں۔ ایک صحابی (حضرت انس بن مالک رضہ) کو دیکھا تھا۔ علم حدیث میں کمال تھا۔ ان کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین میں اختلاف ہے۔ امام مالک ان کے سخت مخالف ہیں۔ لیکن محدثین کا عام فیصلہ یہ ہے کہ مغازی اور سیر میں ان کی روایتیں استناد کے قابل ہیں۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں ان کی روایت نہیں لی لیکن جزوالقراۃ میں ان سے روایت کی ہے۔ تاریخ میں تو اکثر واقعات انہی سے لیتے ہیں۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ محدثین و محمد بن اسحاق کی کتاب پر اعتراض تھا تو یہ تھا کہ خیبر وغیرہ کے واقعات وہ ان یہودیوں سے دریافت کر کے داخل کتاب کرتے تھے جو مسلمان ہو گئے تھے اور چونکہ یہ واقعات انہوں نے یہودیوں سے سنتے ہوں گے اس لئے

ان پر پورا اعتماد نہیں ہو سکتا۔ علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن اسحاق یہود و نصاریٰ سے روایت کرتے تھے اور ان کو ثقہ سمجھتے تھے۔ ۱۵۱ھ میں وفات پائی۔ [۳۴]

محمد بن اسحاق کی کتاب کثرت سے پھیلی اور مشہور محدثین نے اس کے نسخے مرتب کئے۔ اسی کتاب کو ابن ہشام نے زیادہ منقح اور اضافہ کرکے مرتب کیا جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے۔ چونکہ اصل کتاب نایاب ہے اس لئے آج اس کی جو یادگار موجود ہے وہ یہی ابن ہشام کی کتاب ہے۔۔ حمیر کے قبیلہ سے تھے اور غالباً اس تعلق سے سلاطین عمیر کی تاریخ لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ انہوں نے سیرت میں یہ اضافہ کیا کہ سیرت میں جو شکل الفاظ آتے ہیں ان کی تفسیر بھی لکھی۔ ۲۱۳ھ یا ۲۱۸ھ میں وفات پائی۔ سیرت ابن اسحاق کی مقبولیت کی بنا پر لوگوں نے اس کو نظم کیا۔ چنانچہ ابو نصر فتح بن موسی عطراوی التوفی ۶۹۳ھ، وعبدالعزیز بن احمد المعروف بہ سعد وبری التوفی فی حدود ۷۰۶ ہجری وابو اسحاق انصاری تلمسانی وافع الدین محمد بن ابراہیم معروف بہ ابن الشہید التوفی ۷۹۳ھ نے منظوم کیا اخیر کتاب میں قریباً دس ہزار شعر ہیں اور اس کا نام فتح الغریب نے سیرت الحبیب ہے۔

واقدی خود تو قابل ذکر نہیں، لیکن ان کے تلامذہ خاص میں سے ابن سعد نے اس موضوع پر ایک لاجواب کتاب لکھی۔

ابن سعد مشہور محدث ہیں۔ محدثین نے عموماً لکھا ہے کہ وہ ان کے استاد (والد کی قابل اعتبار نہیں لیکن وہ خود قابل سند ہیں۔ خطیب بغدادی نے ان کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں:

"کان من اهل العلم و الفضل و الفهم و العدالة صنف کتاباً کبیراً في طبقات الصحابة و التابعین الی وقته فاجادفیه و احسن" [۳۵]

"یہ موالی بنی ہاشم سے تھے بصرہ میں پیدا ہوئے لیکن بغداد میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ بلاذری جو مشہور مورخ ہیں انہی کے شاگرد ہیں۔ ۲۳۰ھ میں ۶۴ برس کی عمر میں وفات پائی۔"

ان کی کتاب کا نام طبقات ہے ۱۲ جلدوں پر مشتمل ہے۔ دو جلد میں خاص آنحضرت ﷺ کے حالات ہیں اور یہ حصہ دراصل سیرت نبوی ہے۔ باقی جلدیں (صحابہ و تابعین) کے حالات میں ہیں اور چونکہ صحابہ کے حالات میں ہر جگہ آنحضرت ﷺ کا ذکر آتا ہے اس لئے ان حصوں میں بھی سیرت کا بڑا سرمایہ موجود ہے۔

یہ کتاب تقریباً ناپید ہو چکی تھی، یعنی دنیا کے کسی کتب خانہ میں اس کا پورا نسخہ موجود نہ تھا' شہنشاہ جرمن کو اس کی طبع واشاعت کا خیال ہوا۔ چنانچہ لاکھ روپے جیب خاص سے دیئے اور پروفیسر ساخو کو اس کام پر مامور کیا کہ ہر جگہ سے اس کے اجزا فراہم کرکے لائیں۔ پروفیسر موصوف نے قسطنطنیہ مصر اور یورپ جاکر جابجا سے تمام جلد میں بہم پہنچاہیں۔ یورپ کے بارہ پروفیسروں نے الگ الگ جلدوں کی تھی اپنے ذمہ لی چنانچہ نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ یہ نسخہ لیڈن (ہالینڈ) میں چھپ کر شائع ہوا۔ اس کتاب کا بڑا حصہ واقدی سے ماخوذ ہے لیکن چونکہ تمام روایتیں بے سند مذکور ہیں اس لئے واقدی کی روایتیں بآسانی الگ کرلی جاسکتی ہیں۔

اس زمانہ میں سیرت پر اور بھی بہت ہی کتابیں لکھی گئیں چنانچہ کشف الظنون وغیرہ میں ان کے نام مذکور ہیں لیکن چونکہ نام کے سوا ان کے متعلق اور کچھ معلوم نہیں نشان کا آج وجود ہے اس لئے ہم ان کے نام نظر انداز کرتے ہیں۔ سیرت کے سلسلہ سے الگ تاریخی تصنیفات ہیں ان میں سے جو محدثانہ طریقہ پر لکھی گئیں یعنی جن میں روایتیں بے سند مذکور ہیں ان میں آنحضرت ﷺ کے حالات اور واقعات کا جو حصہ ہے وہ بھی دراصل سیرت نبوی ﷺ ہے۔ ان میں سب سے مقدم اور قابل استناد امام بخاری کی دونوں تاریخیں ہیں لیکن دونوں نہایت مختصر ہیں' تاریخ صغیر چھپ گئی ہے اس میں سیرت نبوی ﷺ کا حصہ کتاب کا دسواں حصہ بھی نہیں یعنی صرف ۱۵ صفحے ہیں اور ان میں بھی کوئی ترتیب نہیں کبیر البتہ بڑی ہے، لیکن سوانح نبوی اس میں بہت کم ہیں اور جستہ جستہ واقعات بلاترتیب مذکور ہیں۔[۳۶]

تاریخی سلسلہ میں سب سے اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے، محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا میں "میں کسی کو ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا' ۳۱۰ھ میں وفات پائی۔ بعض محدثین (سلیمانی) نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ شیعوں کے لئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے لیکن علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے۔

"و ھذا رحم بالظن الکاذب بل ابن جریر من کبار ائمة الاسلام المعتمدین"[۳۷]

"یہ جھوٹی بدگمانی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابن جریر اسلام کے معتمد اماموں میں سے ایک بڑے امام ہیں۔"

علامہ ذہبی نے اس موقع پر لکھا ہے کہ ان میں فی الجملہ تشیع تھی لیکن مضر نہیں تمام مستند اور مفصل تاریخیں مثلاً تاریخ کامل ابن الاثیر، ابن خلدون، ابوالفداو وغیرہ اسی کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے مختصرات ہیں، یہ کتاب بھی ناپید تھی اور یورپ کی بدولت شائع ہوئی۔

جو لوگ خاص فن سیرت کے ارکان اور معتمد ہیں ان کے نام ہم درج کرتے ہیں۔

۱. عروہ بن زبیر (متوفی:۹۴ھ)
۲. شعبی (متوفی:۱۰۹ھ)
۳. وہیب بن منبہ (متوفی ۱۱۴ھ)
۴. عاصم بن عمر قتادہ انصاری (متوفی:۱۲۱ھ)
۵. محمد بن مسلم شہاب زہری (متوفی:۱۲۴ھ)
۶. یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن الاخنس بن شریق ثقفی (متوفی:۱۲۸ھ)
۷. ہشام بن عروہ بن زبیر (متوفی:۱۴۶ھ)۔
۸. ابو مشر نجیح المدنی (متوفی:۱۷۰ھ)
۹. عبداللہ بن جعفر بن عبدالرحمٰن المخزومی (متوفی:۱۷۰ھ)
۱۰. عبداللہ بن محمد بن ابو بکر بن عمرو بن حزم الانصاری (متوفی:۱۷۶ھ)
۱۱. علی بن مجاہد الرازی الکندی (متوفی:۱۸۰ھ)

۱۲. زیاد بن عبد اللہ بن الطفیل البکائی (متوفی:۱۸۳ھ)

۱۳. سلمہ بن الفضل الابرش الانصاری (متوفی:۱۹۱ھ)

۱۴. ابو محمد یحییٰ بن سعید بن ابان الاموی (متوفی:۱۹۴ھ)

۱۵. ولید بن مسلم القرشی (متوفی:۱۹۵ھ)

۱۶. یونس بن بکیر (متوفی:۱۹۹ھ)

۱۷. محمد بن عمر الواقدی الاسلمی (متوفی:۲۰۷ھ)

۱۸. یعقوب بن ابراہیم الزہری (متوفی:۲۰۸ھ)

۱۹. عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری (متوفی:۲۱۱ھ)

۲۰. علی بن محمد المدینی (متوفی:۲۲۵ھ)

۲۱. عمر بن شبہ البصری (متوفی:۲۶۲ھ)

۲۲. محمد بن عیسیٰ ترمذی (متوفی:۲۷۹ھ)

۲۳. ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم (متوفی:۲۸۵ھ)

۲۴. ابو بکر احمد بن ابی خیثمہ البغدادی (متوفی:۲۹۹ھ)[۳۸]

ان تصانیف کے متعلق سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

(مذکورہ مصنفین کی فن مغازی میں متقدمین کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے، ان میں سے اکثرین کی تصانیف ناپید ہے، لیکن سیرت کی کتب میں ان کے احوال و آثار پائے جاتے ہیں)۔[۳۹]

خلاصہ بحث

سیرت النبی ﷺ کو شروع میں الگ فن کی حیثیت سے نہیں سمجھا جاتا تھا، بعد میں صحابہ کرام و تابعین اور سلطنت کے امراء نے اس فن پر خاص توجہ دی، جس کے نتیجہ میں مغازی کا وجود ہوا اور اوپر جن کتب سیرت کا ہم ذکر کر کے آئے ہیں ان کا شمار بھی مغازی میں ہی ہوتا ہے، اور ہماری تحقیق سے جتنی حد تک معلوم ہوتا ہے تو مذکورہ کتب سیرت نبوی ﷺ پر بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کو متقدمین کی تصنیفات بھی کہا جاتا ہے۔ جب کہ ان کے بعد سیرت کے فن میں علماو محدثین نے کتب کا کام جاری وساری رکھا، لیکن مذکورہ کتب کو تاریخی حیثیت سے سیرت کی بنیادی کتب سمجھا جاتا ہے۔ اور سیرت کی جمع و تدوین کی ہر دور میں سخت ضرورت رہی ہے کیونکہ قرآن مجید نے ہی آپ ﷺ کے اخلاق وکردار کی تعمیل پر امت مسلمہ کو بار بار ترغیب دی ہے اور آنحضرت ﷺ کی سیرت پر چلنے والے شخص کو فلاح ونجات والا شخص قرار دیا ہے۔ اس دنیا فانی میں انسان کا سب سے اولین فریضہ یہ ہے کہ انسانیت کو اخلاقیات کی تعلیم دی جائے۔ یعنی پہلے ہر قسم کے فضائل اخلاق، غیرت واستغنا کے اصول وفروع نہایت صحیح طریقہ سے قائم کیے جائیں اور پھر ساری دنیا میں اس کی عملی تعلیم وطریقہ رائج کیا جائے۔

اس مقصد کے حصول کا عام طریقہ وعظ و پند ہے۔ اس سے زیادہ متمدن طریقہ یہ ہے کہ فن اخلاق میں اعلی درجہ کی کتابیں لکھ کر تمام ممالک میں پھیلائی جائیں اور عوام الناس کو ان کی تعلیم دلائی جائے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ عوام الناس سے بہ جبر محاسن اخلاق کی تعمیل کرائی جائے اور رذائل سے دور کیا جائے۔

حوالہ جات

---

[1] : القرآن الکریم، سورۃ الاحزاب، آیت:۴۵

[2] : نعمانی، شبلی، علامہ، ندوی، سلیمان سید، سیرت النبی ﷺ، ناشر محمد سرور عاصم، مکتبہ اسلامیہ، مطبع: اکتوبر، ۲۰۱۲ء، ج: اول، ص:۳۳، البوطی، محمد سعید رمضان، ڈاکٹر، اردو مترجم: محمد عمران انور نظامی، فقہ السیرہ،، لاہور، رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹر، طبع: اول، سن اشاعت ۲۰۰۹ء، ص:۱۵

[3] : نعمانی، شبلی، علامہ، ندوی، سلیمان سید، سیرت النبی ﷺ، ناشر محمد سرور عاصم، مکتبہ اسلامیہ، مطبع: اکتوبر، ۲۰۱۲ء، ج: اول، ص:۳۳

[4] : القرآن الکریم، سورۃ المائدہ: آیت ۳

[5] : ندوی، سید سلیمان، سیرت النبی ﷺ، ص:۳۴

[6] : نعمانی، شبلی، سیرت النبی ﷺ، ج: اول، ص:۳۴

[7] : قاسمی، محمد سعود عالم، ڈاکٹر، عصر حاضر میں اُسوہ رسول ﷺ کی معنویت، مطبع: تاپا سنز پرنٹر، لاہور، سن اشاعت:۲۰۰۸، ص:۱۶

[8] : البوطی، محمد سعید رمضان، ڈاکٹر، اردو مترجم: ندوی، محمد رضی الاسلام، ڈاکٹر، دروس سیرت، لاہور میٹروپولیٹن، اردو نشریات، طبع:۲۰۰۷ء، ص:۳۹

[9] : القرآن الکریم، سورۃ الاحزاب، آیت:۲۱

[10] : نعمانی، شبلی، سیرت النبی ﷺ، ج: اول، ص:۳۴

[11] : البوطی، محمد سعید رمضان، ڈاکٹر، اردو مترجم: ندوی، محمد رضی الاسلام، ڈاکٹر، دروس سیرت، لاہور میٹروپولیٹن، اردو نشریات، طبع:۲۰۰۷ء، ص:۳۱۔

[12] : نعمانی، شبلی، سیرت النبی ﷺ، ج:۱، ص ۳۵،۳۶

[13] : ایضا، ج: اول، ص:۳۹

[14] : ایضا، ج:۱، ص:۳۹

[15] : ایضا۔

[16] : ابن ندیم، کتاب الفہرست، ص:۱۷، دار المعرفہ بیروت (لبنان)، س ن، بحوالہ سیرت النبی ﷺ، سید سلیمان ندوی، ج:۱، ص:۳۸

[17] : فتوح البلدان، ذکر خط، بحوالہ مذکورہ بالا۔

[18] : مسلم،، ابوالحسین، مسلم بن حجاج القشیری، النیشابوری، صحیح مسلم، کتاب الزہد، رقاق باب ۱۷، حدیث ۵۳۲۶، چشتی، خلیل الرحمان، مترجم: میمن عبد المالک، انجنیئر، مہران اکیڈمی، شکارپور، طبع دوم، جون ۲۰۱۱ء، ص:۵۷۔

[19] : بخاری ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب العلم، حدیث ۱۱۳۔

[20] : ابوداؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی، سنن ابو داؤد، حدیث:۳۶۴۶۔

[21] : ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن محمد بن ابن عبد البر، القرطبی، مالکی، جامع البیان العلم مطبوعہ مصر، ص:۷۷، س ن

[22] : سیرت النبی ﷺ، سید سلیمان ندوی، ج:۱، ص:۴۱

[23] : ایضا، ج:۱، ص:۴۱

[24] : ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی، سنن ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی الرُخصۃِ فیہ، حدیث:۲۶۶۷۔

[25] : علامہ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، تذکرہ امام زہری، بحوالہ: سیرت النبی ﷺ، سید سلیمان ندوی، ج:۱، ص:۴۱

[۲۶] :ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن محمد بن ابن عبد البر، القرطبی، مالکی، جامع البیان العلم ج:۱، ص:۱۵۴، ناشر دار ابن الجوزی، س ن

[۲۷] :ابن عبد البر، جامع البیان العلم ج:۱، ص:۱۵۵۔

[۲۸] :ابن سعد، ابو عبد اللہ، محمد بن سعد الہاشمی، طبقات ابن سعد، ج:۲، ص:۱۳۶، س ن

[۲۹] :سیرت النبی ﷺ، سید سلیمان ندوی، ج:۱، ص:۴۴

[۳۰] :عسقلانی، ابن حجر حافظ احمد بن علی، تہذیب التہذیب، اردو ترجمہ ابو بکر بن محمد و عمرۃ بنت عبد الرحمان، وطبقات ابن سعد ج: دوم، حصہ ۲، ص:۱۳۶

[۳۱] ::ابن عبد البر، جامع البیان العلم ج:۱، ص:۱۵۵۔

[۳۲] :ایضا

[۳۳] :سیرت النبی ﷺ، سید سلیمان ندوی، ج:۱، ص:۴۳

[۳۴] :سیرت النبی ﷺ، سید سلیمان ندوی، ج:۱، ص:۴۶

[۳۵] :ابن عبد البر، جامع البیان العلم ج:۱، ص:۱۵۶۔

[۳۶] :سیرت النبی ﷺ، سید سلیمان ندوی، ج:۱، ص:۵۲

[۳۷] :سیرت النبی ﷺ، سید سلیمان ندوی، ج:۱، ص:۵۳

[۳۸] : سیرت النبی ﷺ، سید سلیمان ندوی، ج:۱، ص:56, 57

[۳۹] :ایضا